حسان بن ثابت رض

(۵)

از جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب پرواز اصلاحی مبئی

اس قصیدہ[ع] میں غالباً اس دور کا حال بیان کیا گیا ہے جس میں بلاد شام پر ایرانیوں کا تسلط رہا۔ وہ اپنے دوسرے قصیدے میں بھی بلاد غسان پر کسریٰ کے تاخت و تاراج کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں :۔

اباح لها بطریق غسان غائطاً   لہٗ من ذُریٰ الجولان بَقْلٌ وزاھرٌ

حسان کے بعض اشعار میں حارث الجفنی کا بھی نام لیا گیا ہے۔ وہ اس کی شکست کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ اس کے ساتھ خالص غسانی لوگ نہ تھے بلکہ مختلف قبیلوں کے مخلوط لوگ تھے۔ اس لئے غیرت و خودداری کے جذبے کے ساتھ دادِ شجاعت نہ دے سکے۔ وہ کہتے ہیں ؎

إنّی حلفت یمیناً غیر کاذبۃٍ   لوکان للحارث الجفنی اصحابُ

مِن جذم غسان مسترخٍ حمائلھم   لا یغبقون من المغری اذا آبوا

اذاً لآبوا جمیعاً او لکان لھم   اسریٰ من القوم او قتلیٰ و اسلابُ

حارث الجفنی سے مراد کون ہے؟ تو اس کے متعلق ہم کچھ یقینی طور سے نہیں کہہ سکتے البتہ اس کا ذکر نابغہ کے اشعار میں بھی ملتا ہے۔[1] سیاق و سباق سے تو حارث بن جبلہ معلوم ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ حارث الاصغر مراد ہو یا حارث الاعرج۔ کیونکہ ان دونوں

---

[1] دیوان نابغہ ص۱۰ [ع] یہ دو سطریں تسلسل کے قائم کرنے کے لئے مکرر درج کی گئی ہیں۔

امیروں سے حسان کا تعلق رہا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی کتابوں میں ایک اور غسانی امیر حارث ابن ابی شمر کا بھی ذکر ملتا ہے چنانچہ مسعودی کے خیال کے مطابق حسان اسی کے پاس آئے ہیں تو اس کی خواہش ہوئی کہ نعمان بن المنذر پر اسے اشعار کے ذریعہ فضیلت دیجائے[1] اس قسم کا واقعہ ابو الفرج نے بھی نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

"حسان کہتے ہیں کہ میں حارث کے دربار میں کبھی نہ گیا تھا۔ ایک دفعہ اس کی مدح میں قصیدہ لکھا۔ اور بصری پہنچا۔ دربار میں حاضر ہونے کے لئے گیا تو مجھے دربان ملا۔ کہا بادشاہ تمھارے آنے سے خوش ہے اور وہ تمھارے سامنے جبلہ کا ذکر چھیڑے گا لیکن دیکھنا تم کہیں اسے بُرا کہنے نہ لگ جاؤ۔ بلکہ وہ تم کو آزمائے گا۔ اگر تم نے اس کی برائی کی تو تم سے نفرت کرنے لگے گا۔ اور اگر تم نے اس کی تعریف لمبی چوڑی کی تو اسے ناگوار گذرے گی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم اس ذکر کو ٹال دینا۔ اور اگر تمہاری موجودگی میں کھانا آجائے تو کھانے پر نہ بیٹھنا۔ کیونکہ بادشاہ کا مزاج ایسا ہے کہ اسے درہم ودینار کا خرچ کر دینا تو ناگوار نہیں ہوتا مگر کھانا کھلانا نہایت شاق گذرتا ہے۔ غرض جبتک خصوصیت سے تم کو حکم نہ دے اس وقت تک دسترخوان پر نہ بیٹھنا اور اگر حکم بھی اس نے دیدیا تو تب بھی برائے نام ہی کھاتے رہنا۔ حسان کہتے ہیں کہ میں اس دربان کا شکریہ ادا کرکے اندر پہنچا۔ بادشاہ نے مجھے وطن واہل وطن اور معیشت وغیرہ کے متعلق سوالات کئے۔ جن کے میں جواب دیتا رہا۔ اسی سلسلہ میں جبلہ کا بھی ذکر آیا۔ کہا تو نے ہم کو تو چھوڑ ہی رکھا ہے۔ اور جبلہ کا ہی ہو رہا بتلاؤ وہ کیسا ہے؟ میں نے کہا جبلہ اور آپ ایک ہی ہیں۔ یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ پھر کھانا آیا۔ اور بادشاہ نے بڑے بڑے لقمے اٹھا کر کھانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے اشارہ کیا کہ شریک طعام ہو جاؤ۔ میں بھی ساتھ بیٹھ گیا۔ اور برائے نام کھاتا رہا۔ اس کے بعد طرح طرح کی شراب لائی گئی اور مدام کے

[1] مروج الذہب ۱/۲۹۶۔

مطرب اپنے اپنے ساز لیکر حاضر ہوگئے۔ دور شروع ہوا۔ بادشاہ نے مجھے بھی جام لینے کے لئے کہا۔ میں نے انکار کردیا۔ اس نے مکرر کہا تو میں نے جام اٹھالیا۔ اور جب کچھ سرور ہوگیا تو اپنے اشعار سنانے شروع کئے جو حارث کو بیحد پسند آئے۔ اسی طرح میں چند روز وہاں ٹھہرا رہا۔ ایک روز دربان نے مجھے اطلاع دی کہ نابغہ آگیا ہے۔ بادشاہ اس کے سامنے کسی شاعر کی عزت نہیں کرتا اس لئے مناسب ہے کہ تم اجازت حاصل کرلو میں نے اجازت حاصل کی۔ حارث نے پانچسو دینار ایک خلعت۔ دو گھوڑے مجھے عطا فرمائے۔ اور میں وہاں سے چلا آیا۔ [1]

اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو حارث بن ابی شمر جبلہ بن ایہم کا ہم عصر ٹھہرتا ہے۔ یعنی اس کا مطلب ہے کہ دور اسلام کے آغاز میں تھا۔ ڈوبر سفال نے لکھا ہے کہ حارث کی وفات فتح مکہ کے کچھ ہی دنوں بعد واقع ہوئی۔ [2]

اس کی تائید ان تاریخی شواہد سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شجاع رضؓ بن وہب کو حارث بن ابی شمر الغسانی بادشاہ تخوم دشام) کی طرف دعوت اسلام کی غرض سے بھیجا۔ [3]

ہاں اس سلسلے کی دوسری روایتوں میں شجاع بن وہب کو جبلہ بن ایہم کے یا منذر بن الحارث بن ابی شمر۔ صاحب دمشق کے پاس بھیجے جانے کا ذکر ہے۔ بلاذری لکھتے ہیں کہ جبلہ بن ایہم کے پہلے حارث بن ابی شمر غسان کا بادشاہ تھا۔ [4]

باقی رہا آخری غسانی بادشاہ جبلہ بن ایہم کے ساتھ حسان کے تعلقات تو اس کے متعلق کتاب الآغانی میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جبلہ کا واقعہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے زمانے میں پیش آیا۔ انھیں کے دور میں وہ مرتد ہوکر

---

[1] آغانی ۱۵/۱۷۰ [2] ڈوبر سفال ۲/۱۸۹۔ [3] سیرت ابن ہشام ۲/۶۰۷ و تاریخ الطبری ۲/۶۴۴۔ [4] فتوح البلدان ۱/۱۶۱

دوبارہ بلاد روم کی طرف چلا جاتا ہے۔

لیکن ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ کا قاصد یا حضرت معاویہؓ کا ایلچی بادشاہ روم کے پاس جاتا ہے اور جبلہ سے اس کے محل میں ملاقات کرتا ہے تو جبلہ حسان کے متعلق دریافت کرتا ہے کہ وہ کس حال میں ہیں؛ قاصد کہتا ہے کہ اب وہ بالکل بوڑھے ہو چکے ہیں۔ آنکھوں کی بینائی زائل ہو گئی۔ معاشی حالت بھی اچھی نہیں۔ تو جبلہ سن کر بہت متاثر ہو جاتا ہے۔ اور حسان کی خدمت میں کچھ کپڑے۔ دینار تحائف بھیجتا ہے۔ اپنے اس دیرینہ تعلق کی بنا پر جو اسے ایک زمانے میں ان سے رہا۔ وہ کبھی اس کی شان میں مدحیہ قصائد کہا کرتے تھے اور اس کی پر لطف صحبتوں میں رہا کرتے تھے۔ یہ تحفے انھیں گذشتہ روابط کی یادگار ہیں۔ [1]

نولڈیکی کو شبہ ہے کہ اس وقت جبلہ روم کی جانب سے بلاد شام کا حکمراں تھا بھی یا نہیں؛ اس لئے کہ اس وقت تو بلاد شام میں ایرانیوں سے جنگ کے بعد غسانیوں کی امارت رہی بھی ہوگی تو اس کی مدت بہت مختصر رہی ہوگی۔ [2]

ڈاکٹر احسان النص کہتے ہیں کہ شجاع بن وہب کو حارث بن ابی شمر کے پاس دعوت اسلام کی غرض سے بھیجنے کے متعلق جس قدر بھی روایتیں بیان کی گئی ہیں ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ شام پر رومیوں کی جانب سے معین تھا۔

چنانچہ بلاذری بھی اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ حارث بن ابی شمر کے بعد غسان کا بادشاہ جبلہ بن ایہم ہی تھا۔

ان تصریحات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی علاقے پر دوبارہ فتحیابی کے بعد رومی سلطنت نے ان دونوں سرداروں کو وہاں کا حکمراں بنا دیا تھا۔

انھیں روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غسانی امیروں اور یثرب کے باشندوں

---

[1] شرح دیوان البرقوقی و عقد الفرید ۲/۵۷ والشعر والشعرا ۱/۲۹۶ و خزانۃ الادب ۲/۴۴۲

[2] امرا غسان ص۴۹

اوس وخزرج کے قبائل کے درمیان بڑے اچھے تعلقات تھے۔ اور یہ روابط ان کے دعوتِ اسلامی اور رسول اکرمؐ کی یثرب میں ہجرت کے بعد بھی قائم رہے۔

ایک روایت سے تو یہ بھی معلوم ہوا کہ غزدہ تبوک کے موقع پر جب کعب بنؓ مالک پیچھے رہ گئے تھے اور شریک جہاد نہیں ہوسکے تو رسول اکرمؐ نے ان کی عدم شرکت پر اظہار ناراضگی فرمائی اور کئی روز تک ان سے بات چیت نہیں فرمائی۔ تمام صحابہ کرام بھی ان سے کنارہ کش تھے حضرت کعبؓ اور ان کے دو اور ساتھیوں کو اس وقت سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو امیر غسان نے حضرت کعبؓ کے پاس ایک قاصد بھیجا اور ان سے کہلایا کہ وہ ان کے پاس چلے آویں۔ ؎۱

اس واقعہ سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی امراء غسان کا وجود تھا۔ حسان جب اپنے اشعار میں جبلہ کا ذکر خیر کرتے ہیں تو اسے "رب الشام" کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ ؎۲

لم ینسنی بالشام اذھو ربھا　　کلا ولا متنصرا بالروم

جب مسلمانوں کے لشکر بلادِ شام کی طرف یلغار کرتے ہوئے چلے تو جبلہ اپنے ساتھ غسان کے تمام قبائل کلب، لخم، جذام، کو لیکر بھاگ کھڑا ہوا۔ طبری کے بیان کے مطابق رومیوں کے حمایتی لشکر میں عرب سرداروں میں جبلہ بن ایہم پیش پیش تھا۔ دومۃ الجندل میں جس وقت خالد بن الولید نے گیارہویں ہجری (۶۳۲ء) میں حملہ کیا تو مدافعت میں جبلہ بھی تھا۔ اور یہ بات تو پایۂ تحقیق کو پہونچ چکی ہے کہ جب تیرہویں ہجری کے اندر یرموک کا معرکہ پیش آیا تو رومیوں کی طرف سے لڑنے والے عرب قبائل کی قیادت اس وقت جبلہ ہی نے کی تھی۔ ؎۲

؎۱ سیر اعلام النبلاء ۱/۳۷۸　　؎۲ تاریخ الطبری ۳/۲۰۰

بلاذری لکھتے ہیں کہ جب اس معرکہ میں رومیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو جبلہ النعما مدینہ کے پاس آیا اور ان سے قرابت منذری کا واسطہ دیکر پناہ مانگی اور پھر مسلمان ہوگیا۔ پھر جب ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ شام کے اندر آئے ہیں تو مزینہ کے ایک شخص کو وہ تھپڑ مار دیتا ہے جس پر حضرت عمرؓ نے قصاص کا حکم دیا۔ اس پر جبلہ ناراض ہوجاتا ہے اور مرتد ہوکر رومیوں سے مل جاتا ہے ۔[1]

جبلہ کے اسلام قبول کرنے، اس کے ارتداد کے اسباب، اور بلاد روم میں اسکی دوبارہ واپسی کے متعلق بہت سی باتیں کہی گئی ہیں، اسی طرح حضرت معاویہؓ نے شاہ روم کے پاس وفود بھیجے اور ان وفود سے متعلق بہت روایات ہیں لیکن ہمارے موضوع سے تعلق نہیں رکھتیں اس لئے ہم انھیں نظر انداز کرتے ہیں ۔

ہمارا تو مقصد یہ ہے کہ ہم یہ بتائیں کہ حسان کے تعلقات جبلہ سے کس زمانے سے رہے اور کب تک رہے ؛ جبلہ بلاد شام پر رومی حکومت کی طرف سے تقریباً ۶۱۳ء تک حکمراں رہا جبکہ ہرقل کو ایرانیوں پر دوبارہ غلبہ حاصل ہوا۔ یعنی نویں ہجری تک۔ اس لحاظ سے یہ بات کسی طرح زیب نہیں دیتی کہ اس مدت کے درمیانی حصوں میں وہ جبلہ کے پاس آئے ہوں۔ یہ زمانہ تو وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شعراء مشرکین کی ہجو کے جواب اور ان کی مدافعت میں لگے رہے۔ اور اسلامی دعوت و تبلیغ کے ایک اہم محاذ پر سرگرم عمل رہے۔ بلاشبہ حسان جبلہ کے پاس اپنی آمد کا ذکر کرتے ہیں اور صرف ذکر ہی نہیں بلکہ اس سلسلہ میں اپنے نائو و نوش کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ ؎

وَاتيتهُ يوماً فقرب مجلسي   وسقىٰ فروّاني من الخمر طوم

(ایک دن میں اسکی مجلس میں آیا تو اس نے اپنے قرب میں مجھے جگہ دی اور اتنا بھر بھر کر قدح پلا کر مجھے سیراب کردیا۔)

---

[1] فتوح البلدان ۱/۱۶۰ —

تو پھر سوال ہوتا ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد بھلا اس قسم کی مجلسوں سے کیسے لطف اندوز ہو سکتے تھے۔ اس لئے لامحالہ ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ ذکر انھوں نے اس زمانے کا کیا ہے جبکہ وہ دائرہ اسلام میں انھوں نے قدم بھی نہیں رکھا تھا۔ اس مفروضہ کے تسلیم کرنے میں ہمیں اس لئے تامل ہے کہ یہ ان جیسے صحابی رسول ؐ کے مرتبہ سے فروتر بات ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حسان کے تعلقات اسی زمانے میں قائم ہو چکے تھے جبکہ وہ روم کی جانب سے پہلے بلاد شام پر مامور کیا گیا تھا نہ کہ دوبارہ رومیوں کی فتحیابی کے بعد۔ وہ اپنے شعر میں جب یہ کہتے ہیں کہ

"لم ینسنی بالشام اذھو ربھا"

تو اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رومی امارت سے قبل کا زمانہ ہے۔ حسان اور جبلہ کے تعلقات بڑے دیرینہ تھے۔ اسی بنا پر بلاد شام پر دوبارہ حکمراں ہونے کے بعد بھی وہ فراموش نہ کر سکا۔ اس کی نوازشات برابر جاری رہیں اور وہ انھیں تحفے تحائف بھیجتا رہا۔

مناذرہ سے حسان کے تعلقات بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حیرہ کے لخمی حکمراں جو مناذرہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں حسان کے ان سے بھی تعلقات تھے۔ خصوصیت کے ساتھ نعمان بن منذر سے تو ان کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ مغربی محققین میں سے بروکلمان اور رفیر نے بھی اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے [۱] نعمان بن المنذر کے پاس حسان کی آمد و رفت پر ابوالفرج نے بھی بحث کی ہے۔ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ انھوں نے دو روایتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک ابوبکر الہذلی کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسان۔ نعمان کے پہرہ دار عصام بن شہبر سے ملتے ہیں تو وہ انھیں اپنی غیر معمولی فراست سے پہچان لیتا ہے۔ پھر وہ انھیں چند مشورے دیتا ہے جسے وہ اختیار کر کے اس کی مجلسوں

---

[۱] بروکلمان کی کتاب۔ تاریخ الادب العربی۔ ترجمۃ النجار ۱/۱۵۴۔ ودائرۃ المعارف الاسلامیہ ۲/۶ فرنچ نسخہ۔

میں آسانی سے بار پا سکتے ہیں۔ اور اس کے ہم نوالہ وہم پیالہ بن سکتے ہیں۔ اس کی نصیحتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب نعمان کے پاس نابغہ کی آمد کی خبر ملے تو وہ وہاں سے کھسک جائیں۔

دوسری روایت جو اس سلسلے میں بیان کی گئی ہے وہ ابوعمرو الشیبانی ومصعب الزبیری کی ہے۔ اور وہ پہلی سے کسی قدر مختلف ہے۔ اور اس میں عصام کے بجائے دوسرے شخص کا ذکر ہے۔ ان دونوں روایتوں میں یہی بات دہرائی گئی ہے کہ حسان نعمان المنذر سے ناراض ہو کر اس سے اپنے تعلقات منقطع کر لیتے ہیں۔ ان کی برگشتگی کے وجوہ میں بتایا گیا ہے کہ حسان کو نابغہ سے تین باتوں پر حسد پیدا ہو گیا۔ اور اس کے بعد اس سے قربت ختم ہو جاتی ہے تو وہ اس سے جدائی اختیار کر لیتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے تو انھوں نے یہ محسوس کیا کہ نعمان کا زیادہ میلان نابغہ ہی کی جانب ہے۔ (۲) وہ نابغہ کے اشعار بھی زیادہ پسند کرتا ہے۔ (۳) اس نے انعام دینے میں بھی نابغہ ہی کو ترجیح دی۔ اور اسے اعلیٰ نسل کے سو اونٹ دینے کا حکم دیا۔ بہر حال ان روایتوں میں ہر بات پر اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ اس میں افسانہ طرازی سے بھی کام لیا گیا ہو۔ لیکن پھر بھی یہ بات طے ہے کہ حسان کے اشعار میں ایک شخص کا ذکر ضرور موجود ہے جسے وہ "ابن سلمیٰ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب وہ اس کے پاس گئے تو وہاں انھوں نے اپنے خاندان کے چند افراد کو بھی پایا۔ جو حالت اسیری میں ان کے پاس اپنے دن گذار رہے تھے۔ حسان جب اس کے پاس پہونچتے ہیں تو انھیں قید سے رہائی دلاتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

وانا الصقر عند باب ابن سلمیٰ ۔۔۔ یوم نعمان فی الکبول مقیم

وابی ووافد اطلقا لی ۔۔۔ ثم رحنا وقفلهم مخطوم

یہ ابن سلمیٰ کون تھا؟ تو اس کے متعلق عبدالرحمٰن البرقوقی لکھتے ہیں کہ در اصل تحمی حکمراں نعمان بن المنذر رہے اور دوسرا نعمان جس کا ذکر شعر میں ہے وہ نعمان بن مالک بن نوفل

بن عوف بن عمرو بن عوف ہے۔ جسے نعمان المنذر نے قید کر رکھا تھا۔ [۱] اسی نعمان المنذر کے پاس حسان اکثر جایا کرتے تھے۔ اور انعام و اکرام حاصل کرتے تھے حسان نے ابن سلمیٰ کا ذکر بھی کئی جگہ کیا ہے۔ [۲] لونڈ بکی کا بھی خیال ہے کہ ابن سلمیٰ سے مراد نعمان بن المنذر ہی ہے اس کی ماں کا نام سلمیٰ تھا۔ [۳]

حسان کے رشتہ داروں میں اس کے پاس جو لوگ محبوس تھے۔ ان میں سے ایک تو نعمان بن مالک بن نوفل بن عوف تھے۔ دوسرے اُبیّ تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد ابی بن کعب بن قیس بن معاویہ بن عمرو بن مالک النجار ہیں۔ اور یہ بھی گمان ہے کہ وہ حسان کے بھائی ابی بن ثابت ہوں۔ لونڈ یکی بھی انھیں حسان کا بھائی ہی سمجھتے ہیں [۴] تیسرے واقد تھے۔ جن کو برقوقی نے بتایا ہے کہ وہ واقد بن عمرو بن الاطنابہ بن عامر بن زید مناۃ بن مالک الاعز* بن کعب بن الخزرج ہیں [۵]

بہر حال ابن سلمیٰ امرار غسان ہی سے تھا۔ اور اس سے حسان کا تعلق تھا۔ حیرہ کے لخمی سرداروں و امیروں میں سے اس کے سوا حسان کے کلام میں کسی اور کا ذکر نہیں ملتا۔ اور نہ ان کی شان میں ان کے قصائد ہی پائے جاتے۔

مدینہ پر اسلام کا سایۂ رحمت

جاہلیت کے زمانے میں حجاز کے تمام شہروں میں سیاسی اور مذہبی لحاظ سے سب سے زیادہ مرکزی حیثیت مکہ معظمہ کو حاصل تھی۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلامی کی تبلیغ و اشاعت کے لئے یثرب کی سرزمین کا انتخاب کیا تو اس شہر کی بھی قسمت جاگ اٹھی۔ اور وہ بھی سیاسی عظمت اور مذہبی تقدس میں مکہ معظمہ کے ہم پایہ ہو گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں نئی ابھرتی ہوئی اسلامی اسٹیٹ کا دارالسلطنت بن گیا۔ جاہلیت کے زمانے میں اسے محض "یثرب" کے نام سے

[۱] شرح دیوان حسان ص ۴۳۳ - [۲] دیوان حسان ص ۱۱۲ و ۳۰۱ و ۲۷۷ - [۳] امرار غسان
[۴] امرار غسان ص ۴۹ - [۵] شرح دیوان حسان ص ۴۳۳ - * الاعز بن ثعلبہ بن کعب

پکارا جاتا تھا۔ مگر اب رسول اکرمؐ اور آپ کے صحابہ کرام کے مستقر بننے کے بعد" مدینۃ الرسول"
ہونے کا اسے شرف حاصل ہوگیا۔ یہ مدینۃ الرسول جو بعد میں مخفف ہوکر صرف مدینہ رہ گیا
نئی زندگی، نئے ولولے اور نئی سرگرمیوں کی بنا، پر دنیا کی نگاہوں کا مرکز توجہ بن گیا۔

مکہ کے اندر تیرہ سال تک رسول اکرمؐ نے اسلام کی صدا بلند کی۔ مگر نتائج خاطر خواہ نہیں نکلے۔ خاندان اور دوسرے قبائل کے افراد کی جانب سے مخالفتوں کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ محض تھوڑے سے افراد نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ لیکن مدینہ منورہ میں آپ کے تشریف لانے کے بعد اسلام کے شجر سایہ دار کو برگ و بار لانے کا پورا پورا موقع ملا۔ اسی سرزمین سے عرب کے دوسرے خطوں میں اسلام کے پھیلنے کا راستہ ملا۔ اسی شہر میں درسگاہ رسول قائم ہوئی جس کے تربیت یافتہ افراد نے اسلامی انقلاب کے لئے راہ ہموار کی۔ مدینہ ہی میں قرآن حکیم کی ان آیات کا نزول ہوا جس میں مسلمانوں کو احکام و قوانین دیئے گئے۔ علماء و فقہاء کا گروہ پیدا ہوا جس کی بدولت اسلامی تشریع و فقہ کی نشو و نما ہوئی۔ اور پھر بعد کے زمانوں میں انھیں کو مرجع و ماخذ بنا کر اسلامی قوانین کی تفصیلات مدون ہوئیں۔ مدینہ ہی کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ باطل کی طاقتوں کے خلاف سب سے پہلے جہاد کا نعرہ اسی سرزمین سے بلند کیا گیا تھا۔ اسلام نے اپنی یلغار اسی سرزمین سے شروع کی۔ اور رسول اکرمؐ کے بعد جب یہ شہر خلفائے راشدین کا مرکز خلافت بنا تو ان کے غازیوں اور فاتح لشکروں نے بڑی بڑی سلطنتوں کو روند کر رکھ دیا۔

مدینہ کو یہ مقام نہیں مل سکتا تھا اگر اس کے دو قبیلے اوس و خزرج حلقہ بگوش اسلام نہ ہو جاتے۔ ان دونوں قبیلوں نے نہ صرف حامل نبوت کو اپنے یہاں جگہ دی۔ بلکہ کفار و مشرکین سے لڑنے کے لئے جانی و مالی قربانیاں بھی پیش کیں اور ہر موقع پر امداد و اعانت کرتے رہے۔ رسول اکرمؐ اور آپ کے صحابہ کی

رت واعانت ہی کی بدولت وہ "انصار" کے معزز لقب سے نوازے گئے۔ قرآن کریم میں
ن کا جہاں بھی ذکر کیا گیا تو اسی لقب کے ساتھ۔ اس لقب پر انھیں بڑا ناز تھا۔ اوس و خزرج
شعراء اس اعزاز پر پھولے نہیں سماتے۔ چنانچہ وہ کہتے بھی تھے ؎

نصرنا و آوینا النبی و صدقت ——— او ائلنا بالحق اول قائل

(ہم نے نبی کی مدد کی۔ انھیں پناہ دی۔ ہمارے اگلے بزرگوں نے پہلے پہل حق کی تصدیق کی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یثرب والوں کے تعلقات کا آغاز اسی وقت ہو گیا تھا بلکہ یوم بعاث کے موقع پر جو اوس و خزرج کے درمیان ہوئی تھی۔ کچھ اشخاص قبیلہ اوس کے مکہ کے اندر انس بن رافع نہشلی کے پاس آئے۔ اور خزرج کے خلاف قریش سے حلیفانہ معاہدہ کی درخواست کی تھی۔ اس وقت دونوں قبیلوں کے لوگ لڑائی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

یہی زمانہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تھا۔ آپ کی قوم آپ کی مخالفت میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ایذا دہی اور ضرر رسانی کے ہزار جتن کئے جا رہے تھے اسی وقت آپ قبائل میں وعظ فرما رہے تھے اور قرآن کریم کی آیات سنا رہے تھے تو ان کا ایک نوجوان متاثر ہوتا ہے۔ اس کے دل میں کلام الٰہی نے تیر و نشتر کا کام کیا۔ اس نوجوان کا نام ایاس بن معاذ تھا۔ وہ اس موقع پر اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتا ہے "خدا کی قسم یہ چیز تو ان سے بدرجہا بہتر ہے جس کے لئے تم یہاں آئے ہو"۔ انس بن رافع یہ سن کر چراغ پا ہو جاتا ہے۔ اور ایک مٹھی دھول لیکر اس کے چہرے پر مار دیتا ہے۔ اور اسے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ "جاؤ بھاگو"، ہمیں تمھارے جیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تو یہاں کسی اور ہی مقصد کے لئے آئے ہیں۔ بہر حال اس موقع پر بغیر اسلام قبول کئے مدینہ واپس چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اور اوس و خزرج کے قبائل بعاث کی لڑائی میں ایک دوسرے

سے گتھم گتھا ہو جاتے ہیں۔

پھر جب اس جنگ کا خاتمہ ہو جاتا ہے تو خزرج کے کچھ لوگ رسول اکرمؐ کی خدمت میں عقبہ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ رسول اکرمؐ ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش فرماتے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اسی موقع پر خزرج کے لوگ اسلام کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ اور ایمان کی سعادت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ ابن اسحٰق ان کی اسلام کی طرف پیش قدمی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ مدت ہائے دراز سے یہودیوں کے پڑوس میں رہتے اور ان سے اختلاط رکھتے تھے۔ اس لئے ان کو اسلام کی دعوت میں اجنبیت نہیں معلوم ہوئی وہ بغیر ہچکچاہٹ کے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہودی اہل کتاب اور صاحب علم تھے اور یہ لوگ مشرک و بت پرست۔ لیکن اس کے باوجود یہودیوں کی مذہبی باتوں کی دل سے قدر کیا کرتے تھے۔ یہود ہمیشہ ان سے کہا کرتے تھے کہ وہ زمانہ بالکل قریب ہے جبکہ ایک نبی مبعوث ہوگا۔ اسی بناء پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خزرج نے کلام سنا تو انھیں بالکل یقین ہو گیا کہ وہ نبی آپ ہی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور آپ کی تعلیمات پر آمنا وصدقنا کہا۔ وہ یہ بھی سوچتے تھے کہ کہیں اس سعادتِ عظمیٰ میں وہ کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ چنانچہ انھوں نے پیشقدمی کی اور اسلام قبول کرلیا۔ اس کے علاوہ انھیں اس کا بھی احساس تھا کہ ہم لوگ مدتوں سے غلط طریقۂ زندگی میں رہ کر ایک دوسرے کے دشمن اور درپئے آزار رہیں۔ جنگ وپیکار نے ہماری قوم کی کمر توڑ دی ہے۔ ممکن ہے۔ اسلام کے گہوارۂ امن میں آکر ہمیں ہمیشہ کی لڑائیوں سے چھٹکارا مل جائے اللہ تعالیٰ اب اسی نبی کے ذریعہ ہمیں وہ راستہ دکھلائے جس سے ہمارے اندر اتحاد و اتفاق کے جذبات کی پرورش ہو۔ اب تو ہم ضرور آپ کے پیغام کی اشاعت کریں گے اور آپ سے بڑھ کر اب ہمارے لئے کوئی لائق تعظیم نہیں۔ [1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۴۲۷

چنانچہ اس کے بعد ہی جب وہ مدینہ لوٹ کر جاتے ہیں تو پہلے خفیہ طور پر دعوت اسلامی کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی شخص اگر ان سے تنہائی میں ملتا تو اس سے اس کا چرچا کرتے اور اسے حلقۂ بگوش اسلام کرنے کی کوشش کرتے۔

اسی طرح ایک زمانہ گذر گیا۔ اور ان کے میلوں کے دن آ گئے۔ ان میلوں میں عرب کے بہت سے قبیلوں سے ان کو ملنے کا اتفاق ہوا۔ چنانچہ انھوں نے ان کے سامنے بھی اسلامی دعوت کا ذکر کیا۔ پھر اس کے بعد اوس وخزرج کے لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اس زمانے تک قتال وجہاد کے احکام نہیں آئے تھے۔ اس بیعت کو عام طور سے بیعت عقبۂ الاولیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس وقت بیعت کرنے والے بارہ اشخاص تھے۔ جن کے نام سیرت ابن ہشام میں موجود ہیں[1]۔ ان لوگوں کے لئے رسول کریمؐ نے تعلیم قرآن اور دینی مسائل کے لئے ایک شخص بھیجا۔ پھر اس کے بعد وہ مبارک سال آیا جبکہ اوس وخزرج کے تقریباً ۷۳ مرد اور عورتیں رسول اکرمؐ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں۔ انھوں نے آپ سے اس بیعت میں اس کا بھی عہد کیا کہ وہ آپ کی ہر قسم نصرت واعانت کریں گے اور دل وجان سے آپ کی حمایت کریں گے۔ اور کفار ومشرکین سے اس وقت تک جہاد کریں گے جب تک کہ دین اسلام کو غلبہ نہ حاصل ہو جائے۔ یہ بیعت اپنی حقیقت میں بیعت جہاد تھی۔ اس موقع پر بیعت کرنیوالوں میں ہمیں حسان بن ثابت کا نام نہیں ملتا۔ البتہ انکے بھائی اوس بن ثابت، کعبؓ بن مالک اور عبداللہؓ بن رواحہ کے نام ملتے ہیں۔ اس موقع پر بارہ نقیبوں کو ان کی دینی نگرانی کے لئے مقرر کیا گیا جن میں ایک عبداللہ بن رواحہ بھی تھے۔

اوس وخزرج کے لوگوں کا بیعت کرنا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک اٹھا۔ آپ کو اطمینان ہوا کہ اب دعوت اسلامی کی اشاعت کا کام آگے بڑھے گا۔ ان کی اسلام کی طرف پیشقدمی سے تحریک اسلامی میں جان آگئی بلکہ

(بقیہ صفحہ ۳۴۷)

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۴۲۸